میرا تعلق پاکستان میں ایک سرکاری ادارے سے ہیں۔ میرا تعلق پاکستان کے ایک صوبے پنجاب سے ہیں۔ میں اپنا شمار ایک پڑھے لکھے اور درمیانی طبقہ میں کرتی ہوں۔ میرا تعلق گلوبل ساؤتھ سے ہیں اور میں گلوبل ساوتھ کے حدود میں تعلیمی ترقی کے حوالے سے آخری کونے سے تعلق رکھتی ہوں۔ لیکن شمالی گلوبل دنیا کے لکھنے والوں کی کتابین پڑھتی اور استعمال کرتی ہوں۔ ہمارا نظام تعلیم برطانوی سامراج سے متاثر ہوا ہے اور ہمارے ہاں تعلیم کے اندر کچھ نیا دریافت کرنا جو کہ طئے شدہ معیار سے ہٹ کر ہو لکھنا مشکل ہیں اسی لیے میں زیادہ کام چھاپ نہیں سکتی۔ مجھے اکثر انگریزی اپنی زبان نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان میں اعلیٰ درجے کی یونیورسٹی کے اساتذہ میں سے ہو کر بھی مجھے اپنے ساتھ امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تو ترک نو آبادیات کے نظریہ کی بحث ہونا اور اس سے چھٹکارا پانا ہمارے ہاں مشکل ہیں۔ تو میرے خیال میں میری نظریات سے زیادہ میری اچھی انگریزی ہونا ضروری ہیں تعلیمی حلقوں میں لکھنے اور چھاپنے کیلئے اہم ہیں۔ اس سے آگے اگر ہم بات کریں تو مائیکل فوکو نے جس خوبصورت انداز میں علم اور طاقت کے نظریے کو بیان کیا ہے اس کے خیال میں طاقت علم کو بناتی ہے۔ مائیکل فوکو کو سمجھنے کیلئے ہمیں اپنی پرسکون سوچ کو جھنجوڑنا پڑتا ہے جو یہ بتاتی کہ تاریخ، وقت اور تعلیم کی علم گیر حیثیت ہونے کا تعلق ناپیدار ہیں اس کی بجائے ہمیں حقیقت کو ایک معاشرتی عمل سمجھنا چاہئے کہ جو ترقی اور سیاست سے بنتا ہے۔

جیسا کہ مائیکل فوکو نے کہا تھا "میرا کام کھڑکیاں بنانا ہے۔ جہاں پہلے دروازے تھے"۔ تو اس کے نظریے کو سمجھنا ایک نئی دنیا کی طرف راہیں متعین کرنا ہے میرے خیال کے مطابق تحقیق کا مطلب یہیں ہے جو کہ بین الاقوامی تعلیمی اور سیاسی مقاصد میں محلوظ خاطر نہں رکھا جاتا جیسا کہ ریان کونیل اپنی کتاب (Southren Theory) میں لکھتی ہیں زیادہ تر تعلیمی مواد جو کہ سوشل سائنس کے درمیانی حلقوں

میں ناپسندیدہ ہیں اور شمالی دنیا کے ممالک سماجی سکالر کے خیالات محدود کرتے ہیں بلکل اسی طرح کا اظہار بابر نے 2003 میں کیا ہے۔ کہ گلوبل جنوب کے ممالک کے وہ تحقیق کرتے ہیں جس میں ان کو جگہ کا نام بتانا پڑھتا ہے کہ وہ کس ملک کے کونے کی تحقیق ہے۔ دوسری طرف شمالوالے تحقیق کیلئے کمو بیش جگہ متعین کرتے ہیں۔ ان کا مقصد بین الاقوامی اور عالمگیر تحقیق ہیں اور وہ ہر معاشرے اس کی کلاس، طاقت اور حیثیت کے بارے میں عام حالات کی طرح بات کر سکتے ہیں۔

اس کے نظریے کو فریدا طلاس نے اس طرح پیش کیا ہے کہ اس طریقہ کار کو ہم تعلیمی انحصار کہہ سکتے ہیں اور پھر مزید یہ کہا کہ تحقیق کے طریقہ کار اور اس میں ردوبدل کرنا پہلی دنیا کے ممالک کیلئے ایک جائز حق سمجھا جاتا ہے اور تیسری دنیا کے ممالک ایک تجرباتی تجزیہ مواد اکھٹا کر کے دیے سکتے ہیں جس کیلئے وہ نامزد سمجھے جاتے ہیں۔ میرے خیال میں ان دونوں کے نظریات ہمارے معاشرے میں صحیح طور پر پورا اُترتے ہیں کیونکہ بین الاقوامی تعلیمی حرکات اور نظریات کے مطابق وہی یہ کام سرانجام دیتے ہیں۔

میں یہاں ایک ذاتی تجربے کا اظہار کرنا چاہتی ہوں کہ ایک دن میری تھیوری کی کلاس میں مارکسسٹ فیمنزیم پڑھا رہی تھی کہ میری ایک طالبعلم نے کہا کہ میں گھر کے کاموں کی تنخواہ کے خلاف ہوں میں اگر اس نظریے کو اپنی زندگی پر عمل کر کے دیکھوں تو میں شادی کے بعد اپنے بچوں کو پالنے کیلئے پیسے نہیں مانگوں گی کیونکہ یہ غیر انسانی فعل ہے۔

اس کے اس ردعمل نے مجھے سوچ میں ڈال دیا کہ شاگرد اس طرح ہر بات کو اپنی ذاتی زندگی سے منسلک کرتے ہیں۔ جب آپ ایک تھیوری کی بات کرتے ہیں تو وہ پڑھانے والے کی ذاتی رائے جاننے کا شوق رکھتے ہیں۔ تو اپنی ذات کو دور رکھنا بہت مشکل ہے خواتین سماجیات کے پروفیسر (Sandra Harding and Dorothy smith) نے خواتین کی رائے کو سوشیالوجی میں شامل کیا ہے حالانکہ ہمارے ملک میں اچھے لکھاری لوگ موجود ہیں اگر ان کے مقابلے میں میرا اظہار رائے قابل

قبول نہیں ہوگا۔ حالانکہ تھیوری میں مختلف نظریات کو جاننا ضروری ہیں لیکن اندرونی حالات کے مطابق اگر لکھنے والے اندرونی ہو تو اس تحقیق کا فائدہ ہے ورنہ نہیں ہے اس طرح کسی اور طالب علم نے مجھ سے کہا کہ اس مضمون پڑھنے سے ان کو خود کو سمجھنے اور اپنے خیالات، رائے اور عقیدے کو بدلنے میں مدد ملتی ہے لیکن وہ اپنے خاندان میں نا قابل برداشت ہو جائے۔ تو معاشرتی روایات کی خلاف کھڑے ہونا ذہنی دباؤ ہے۔ میں یہ دعوے کہ ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ یہ تجرباتی حقیقتیں تعلیم کے معیارات کے مطابق نہیں ہیں، تحقیق کے جرائد میں چھاپی نہیں جاسکتی، کیوں کہ بین ال اقوامیت کے نام پر تعلیمی ادارے پیسے کمانے والی مشینیں بن چکے ہیں، بلکل اسی طرح تعلیمی ادارے اختلاف رائے اور مختلف ہونے کا چرچہ کرتے ہیں لیکن اب تک بالادستی اور نوکر شاہی کے نظریے پر قائم ہیں۔

گلوبل جنوب سے تعلق ہونے کے ناطے شمال کے اندر ہونے والی تعلیمی سرگرمیوں میں موجود نہیں ہوں جس کی وجہ سے زیادہ چھاپ نہیں سکتی یہاں تک کہ کانفرنس کا پیپر منظور ہونے کے باوجود اپنے ملک سے فنڈ نہیں ملتا کہ میں وہاں پہنچ کر بات کروں اور لوگوں سے ملاقات کروں۔ میرے خیال کے مطابق پاکستان میں سماجی مضامین کے اندر بھی کچھ نئی تحقیق نہیں کرر ہے ہیں اور تعلیم کے نظریے کو دوبارہ لکھنے، جاننے اور اس کے مراحل پر بات نہیں کرر ہے ہیں۔ یہ تعلیمی مواد کس کا ہے؟ کس نے تخلیق کیا ہے یہ مضمون اور اس کی وابستہ تھیوری مغربی ممالک میں ہی بنائی جاتی ہے اور اسی نظریے سے سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح میرے خیالات کی عکاسی (Jane L. Papert) نے کی ہے پوسٹ ماڈرن کی طرح ہمارے خیالات، ردعمل اور اختلافات بنیادی تعلیمی دھارے کا حصہ نہیں ہیں۔